

اقبال کی نظم میں فکر و فلسفہ اور رُوح عصر کا اظہار

The Expression of Philosophy and Zeitgeist in the Poem of Iqbal

محمد رفیق، اسکالر، پی ایچ ڈی، اردو، ادارہ زبان و ادبیات اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Muhammad Rafiq, Scholar Ph.D, Urdu, Institute of Urdu Language & Literature, University of the Punjab, Lahore

Abstract

Iqbal is a great poet of all times. He presented his poetry philosophically and thematically. He derived his message from Eastern and Western philosophers analytically. In the poems of Iqbal "Zeitgeist" (Spirit of Time) is dominant in all his creative and critical works. He gave the philosophical orientation (Zeitgeist) to the modern Urdu poem through his creative assimilations and expression of the best literary, cultural and philosophical traditions of the East as well as the West. No contemporary poet is compared with Iqbal in the presentation of modern poem with modern themes. He used classical genres for his thematic message throughout his poetry. Iqbal has the Quranic vision in his poetry. He used double vision to conceptualize the thematic study of world literature. In his critical approach, only eternal ideas and themes are permanent and temporary ones have no worth in future life.

کلیدی الفاظ: اقبال، جدید نظم، رُوح عصر، موضوعاتی پیغام، قرآنی تصور

Key words: Iqbal, Modern Poem, Zeitgeist, Thematic Message, Quranic Vision.

اقبال (1877ء-1938ء) کی ذہنی اور فکری تربیت خالصتاً اسلامی بنیادوں پر ہوئی۔ اس لیے ان کی شاعری میں ایک حیات آفریں پیغام ہے جو انہوں نے دین اسلام اور قرآن حکیم سے اخذ کیا ہے۔ چوں کہ ان کی طبیعت تقلیدی نہیں، اجتہادی تھی۔ اس لیے وہ ابتدائے دماغ دہلوی (1831ء-1905ء) اور اکبر الہ آبادی (1845ء-1921ء) کے حصارِ شعر و اسلوب میں مختصر قیام اور تخلیقی انجذاب کے بعد ایک نئی منزل کی جانب گامزن ہوئے اور ان کے اس تخلیقی اور ارتقائی سفر میں جو، جو ملتا گیا وہ اُسے اپنے دامن میں سمیٹتے گئے اور اپنی اصل اور حقیقی منزل سے وابستہ رہے۔ دماغِ واکبر کے حصارِ اسلوب و موضوعات کے اثرات "بانگِ درا" کے ان اشعار میں دیکھیے: (نظم: "دماغ" کا چوتھا بند)

اشک کے دانے زمینِ شعر میں بوتا ہوں میں
تُو بھی رو اے خاکِ دلی! دماغ کو روتا ہوں میں

اے جہان آباد، اے سرمایہٴ بزم سخن!
 ہو گیا پھر آج پامالِ خزاں تیرا چمن
 وہ گلِ رنگیں ترا رخصت مثالِ بُو ہوا
 آہ! خالی داغ سے کاشانہٴ اُردو ہوا
 تھی نہ شاید کچھ کشش ایسی وطن کی خاک میں
 وہ مہِ کامل ہوا پنہاں دکن کی خاک میں

اُٹھ گئے ساقی جو تھے، مے خانہ خالی رہ گیا

یادگارِ بزمِ دہلی ایک حالی رہ گیا⁽¹⁾

نظم "شبلی و حالی" کا ایک شعر:

شبلی گورو رہے تھے ابھی اہلِ گلستاں

حالی بھی ہو گیا سونے فردوس رہ نور دور⁽²⁾

اکبر کے گہرے اثرات "بانگِ درا" کے آخری صفحات پر بعنوان "ظریفانہ" میں

بھی اقبال نے انسانیت ساز قرآنی پیغام کو ایک قطعے میں یوں پیش کیا ہے:

کارخانے کا ہے مالک مردِ ناکردہ کار

عیش کا پتلا ہے، محنت ہے اُسے ناسازگار

حکمِ حق ہے لَئِنْ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى

کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار⁽³⁾

یہاں تک کہ ان کی شاعری اور شخصیت دونوں ہی تضادات (Paradoxes) کی

زد میں رہیں اور آج بھی اقبال کے افکار و نظریات اور موضوعاتِ شاعری کو زیرِ بحث لایا جاتا

ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کی کتاب "اقبال کی فکری میراث" میں ان کے فکری توازن کے بارے

میں رقم طراز ہیں:

"اقبال میں اگرچہ مشرق و مغرب کے فلسفوں اور جدید علوم کی بو قلمونیوں کا

امتزاج ملتا ہے مگر اساس اُن کی اسلام اور قرآن مجید پر استوار ہے اور اسی سے

علامہ متنوع نظریات سے فکری توازن پیدا کرنے میں کامیاب رہے۔"⁽⁴⁾

متوازن فکر و فلسفہ کو لے کر شاعری کے میدان میں اتنا جوئے شیر لانے کے برابر

ہے۔ اپنے عہد اور اپنی ذات کی داخلی و خارجی کیفیات کو منظم انداز میں جس طرح اقبال نے

پیش کیا ہے، ایسا اظہار و ابلاغ اُن سے قبل اُردو نظم کے شعری تناظر میں کہیں نظر نہیں

آتا۔ آزاد (1830ء-1910ء) اور حالی (1837ء-1914ء) نے اُردو نظم کی موضوعاتی

تشکیل اور مغربی خیالات پر مبنی ترجمہ نگاری کی روایت کو برقرار رکھا اور "پیرویِ مغرب" کے

بیانے کو فروغ دینے کے لئے حتی المقدور کوشش کی۔ عقیل احمد صدیقی اپنی تحقیقی و تنقیدی کتاب "جدید اردو نظم: نظریہ و عمل" میں لکھتے ہیں:

"اقبال کی ابتدائی نظموں کے موضوعات، خیالات کی تبدیلی کے باوجود تقریباً وہی ہیں جنہیں حالی اور آزاد کے اثر سے رواج ملا تھا مثلاً مناظر فطرت، حب الوطنی اور قومی اہمیت کے مسائل اس دور میں مغربی نظموں کے ترجمے کرنے کا بھی رواج تھا۔ اقبال نے بھی چند نظموں کے ترجمے کئے اور چند مغربی خیالات سے متاثر ہو کر لکھیں لیکن دوسرے نظم نگاروں کے مقابلے میں انہوں نے مغربی شاعری کے طرز احساس اور طرز اظہار کو زیادہ بہتر سمجھا اور قبول کیا۔" (5)

اقبال کے ذہنی ارتقا اور فکر و فلسفہ میں مشرق و مغرب کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ شروع میں انہوں نے انگریزی نظموں کے مفاہیم کو اپنے مخصوص شعری اور فلسفیانہ انداز میں نئے موضوعات کے ساتھ پیش کیا۔ مسلسل تدبیر و تفکر کا نتیجہ تھا کہ اقبال نے اپنی بنیادی اسلامی اساس اور مطالعہ قرآن و کائنات سے جو موضوعات اخذ کیے۔ انہیں اپنا پیغام بنا کر اردو اور فارسی شاعری میں پیش کرتے رہے۔ اردو نظم نگاری میں ان کی تخیل آفرینی اور حسن مطلق پر انسانی رسائی ممکن نظر آتی ہے۔ زندگی کی بہترین اقدار اور اپنے گرد و پیش کے حالات کا جیسا منظر نامہ اقبال کی نظم میں موجود ہے۔ وہ ان کے عہد کے ہم عصر شعرا کی نظم نگاری میں نظر نہیں آتا۔ ریسہ پروین اپنی تحقیقی و تنقیدی کتاب "بیسویں صدی کی اردو نظم پر علامہ اقبال کے اثرات" میں اردو نظم کی فکری اور موضوعاتی وسعت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتی ہیں:

"جذبے کی فراوانی جو حالی اور آزاد کی شاعری میں مدہم ہے۔ شبلی کی شاعری میں روانی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اس کمی کو صحیح معنوں میں اقبال نے پورا کیا اور نظم کو بلندی پر پہنچا دیا۔ انہوں نے نظم کو خارجی عکاسی کی بجائے اعلیٰ قدروں کو اجاگر کرنے کے قابل بنا دیا۔ اقبال باطنی حسن کے وسیلے سے حسن مطلق تک رسائی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے داخل کو فطرت کے خارجی عناصر سے ملا دیا۔" (6)

داخلی محرکات اور خارجی عوامل دونوں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اقبال ایک ذکی الحس ہونے کے ناطے اپنے باطنی مشاہدے اور خارجی مسائل سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان کا ذہنی و فکری ارتقائی سفر محدود دائروں کا محتاج نہیں بل کہ انہوں نے خالصتاً اپنی شاعری کو اپنا حقیقی پیغام بنا کر پیش کیا ہے۔ جس میں ان کا اپنا عہد، اُس کے عصری مسائل اور مستقبل کا

لاحہ عمل بھی ملتا ہے، جس سے انحراف۔۔۔ مادیت کی دلدل اور لمحاتی زندگی کا سرور ہے جب کہ فکرِ اقبال کا اظہار و ابلاغ، وسیع امکانات کا منبع ہے:

"ذکی الحس افراد کا شعور و احساس ان کے جذباتی و روحانی تجربات اور ماحول کے اثرات اور ان کے ردِ عمل میں گزرتا ہوا اگر مناسب اظہار کی صورت اختیار کر لے تو انسان کی تہذیبی تاریخ کے تسلسل کا ایک ناقابل فراموش حصہ بن جاتا ہے۔ اقبال کا شمار ایسے ہی نابغہ روزگار، ذکی الحس افراد میں ہوتا ہے۔ جن کے فکری و فنی نقوش میں رنگِ ثباتِ دوام ہے۔" (7)

فلسفہ، زندگی کے حقائق و نتائج پر گہری نظر رکھتا ہے۔ موضوع کو کلیت (Totality) میں بیان کرتا ہے۔ تمام امکانات کی تلاش و جستجو اور ان کے حصول کے لیے تگ و تاز جاری رکھتا ہے۔ یہ تمام علوم میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ زندگی کے بکھرے ہوئے شیرازے کو منظم و مربوط کر کے پیش کرتا ہے۔ اس میں الجھاؤ اور سلجھاؤ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کئی لات و منات ٹوٹتے ہیں تو کئی نئے جنم لیتے ہیں۔ اور فلسفہ کی وادی پر خار میں اپنے حقیقی افکار و نظریات پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اقبال نے اپنی بیاض (Stray Reflections) (جون 1961ء) میں جارج ہیگل (Georg Wilhelm Hegel) (1770-1831ء)، (گوستے Johann Wolfgang Von Goethe) (1749-1832ء)، مرزا غالب (1797-1869ء)، عبدالقادر بیدل (1644-1720ء) اور ولیم ورڈزور تھ (William Wordsworth) (1770-1850ء) کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"I confess I owe a great deal to Hegel, Goethe, Mirza Ghalib, Mirza Abdul Qadir Bedil and Wordsworth. The first two led me into the "inside" of things; the third and the fourth taught me how to remain oriental in spirit and expression after having assimilated foreign ideals of poetry, and the last saved me from atheism in my student days." (8)

اقبال کا یہ جذب و انجذاب اس حقیقت کا غماز ہے کہ فلسفیانہ موشگافیوں میں اتنے پیچ و خم اور پیچیدہ مباحث ہیں کہ ان سے اپنا دامن بچا کر اپنے پیغام کو قرآنی فکر میں پیش کرنا اگرچہ مشکل ہے مگر ناممکن نہیں۔ اقبال نے اپنے فکر و فلسفہ کو اُردو اور فارسی شاعری میں اس طرح سمو دیا ہے کہ شعری آہنگ و لطافت اور عصری موضوعات بھی مجروح نہیں ہوئے:

"اقبال کی شاعری صرف ان معنوں میں فلسفیانہ ہے کہ وہ زندگی کا ایک مدلل اور کلی تصور پیش کرتی ہے، لیکن ایسا کرنا کسی معمولی درجے کے شاعر کے بس کی بات

نہیں ہوتی۔ دنیا کے چند گئے چنے شاعروں ہی سے یہ بات ممکن ہو سکی ہے کہ وہ اپنی شاعری میں کسی پیغام یا نظام حیات کو اس طرح جذب کر لیں کہ وہ فلسفے کا جزو نہ رہے، شاعری بن جائے۔ اقبال نے یہی کیا ہے، یعنی فکر کو شعر میں ڈھال دیا ہے اور اسی وصفِ خاص کے سبب، ان کی شاعری کو حکیمانہ اور خود انہیں، مفکر شاعر کہا جاتا ہے۔ اردو، فارسی شاعری پر اقبال کا سب سے بڑا احسان یہی ہے کہ انہوں نے لطافتِ شعری کو مجروح کیے بغیر، انہیں حکیمانہ لب و لہجہ عطا کیا۔ (9)

اقبال نے "ضربِ کلیم" کی مختصر نظم "فلسفہ" میں زندگی کے پوشیدہ حقائق سے پردہ اٹھایا ہے کہ خونِ جگر کے بغیر زندگی کی تفہیم ناممکن ہے:

افکارِ جوانوں کے خفی ہو کہ جلی ہوں
پوشیدہ نہیں مردِ قلندر کی نظر سے
معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی
مُدت ہوئی گزرا تھا اسی راہ گزر سے
الفاظ کے پیچوں میں اُلجھے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے!
پیدا ہے فقط حلقہٴ اربابِ جنوں میں
وہ عقل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شرر سے
جس معنی پیچیدہ کی تصدیق کرے دل
قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ گہر سے
یا مُردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خونِ جگر سے (10)

اقبال کی شاعری اور فکر و فلسفہ کلیت (Totality) میں اپنے پیغام واضح کرتا ہے۔ عموماً ناقدین نے اقبال کے مرکزی فلسفہء حیات کو فراموش کر کے انہیں متضاد رویوں اور متضاد موضوعات کا شاعر قرار دیا ہے۔ حالاں کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ زندگی کا دھارا ایک ڈگر پر نہیں بہتا۔ اس میں مسلسل نشیب و فراز آتے ہیں۔ اقبال کا کلام و پیغام بھی تمام تر عصری اور استعماری کشمکش کے باوجود اپنے نصب العین کا امین ہے:

"اقبال کے فکری ارتقا کا ابتدائی دور نہایت اہم ہے، کیونکہ اسی دور میں انہوں نے اپنی زندگی اور شاعری کے اعلیٰ نصب العین کا تعین کیا۔ آئندہ ان کے ذہنی سفر میں کئی موڑ آئے، لیکن راہوں کے پیچ و خم میں بھی وہ نصب العین ہمیشہ ان کے پیش نظر رہا اور اسی منزل کی جانب وہ برابر آگے بڑھتے رہے۔ اس لحاظ سے اس دور کی تخلیقات گہرے مطالعے اور سنجیدہ فکر و نظر کی مستحق ہیں۔ اگرچہ اس دور میں نوجوان شاعر کی لبریز حیات شخصیت بظاہر متضاد رجحانات کے مختلف دھاروں میں

اُبل پڑی ہے، تاہم بغور دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ ان سب دھاروں کے بہاؤ کا رخ اور ان کے تموّج و تحرّک کا انداز یکساں ہے۔ یہ تموّج و تحرّک مستقبل میں اقبال کے فکری ارتقا کے سلسلے سے اس طرح مربوط ہے کہ اس کی غایت اور جہت کو سمجھے بغیر، اقبال کے کلام و پیغام کی روح تک رسائی ممکن نہیں۔⁽¹¹⁾

اقبال کے فکر و فلسفہ کی نوعیت ارتقائی مراحل سے گزرتی رہی۔ تخلیق نظم ہو یا شعری تخلیق کا عنوان، اقبال نے اپنے پیغام کو کہیں فراموش نہیں کیا۔ "بانگ درا" خوابیدہ قوم کے لیے عزم سفر ہے جو استعماری قوتوں کی فزکارانہ چالوں سے مایوس ہو کر در ماندہ و پسماندہ ہو کر قنوطیت کی حدوں کو چھونے لگی ہے۔ ایسے مایوس کن حالات میں "بانگ درا" ایک عزم نو کا پیغام بن کر ابھری اور مسلمانوں کے در ماندہ کارواں کے لئے منزل مراد کے حصول کا باعث بنی۔ حقیقت میں اقبال نے اپنے مفکرانہ اور مدبرانہ خیالات میں چنگی کے لئے مشرق و مغرب کے فلسفہ ہائے حیات کا عمیق مطالعہ کر کے اپنے تخلیقی اور تنقیدی افکار و نظریات کو ایک منطقی اور ارتقائی تسلسل میں پرونے کی سعی کی۔ مشرقی افکار کی تشکیل نو اور مغربی افکار کے حیات کش عزم کو بے نقاب کرنے میں اپنے شب و روز بسر کیے:

"اقبال کا دو تین سالہ قیام ان کی زندگی اور ادب میں ایک موڑ ثابت ہوا۔ چنگاری بھڑک کر شعلہ بن گئی اور کیمرج میں مشرقی گیتوں کے اس مطالعے نے ان کے دماغ پر یہ ثبت کر دیا کہ ان میں ہمیشہ رہنے والا جوہر ہے، جسے صیقل کرنا مفید ہوگا، لیکن اس وقت انہوں نے یہ بھی بھانپ لیا کہ مشرقی افکار کو زمانے کی ضرورت کے مطابق ڈھالنے کے لیے ان کی تشکیل از سر نو کرنا پڑے گی۔ اسی دوران میں مغربی معاشرت کے نقائص دیکھنے کا موقع ملا اور اس تہذیب کی زربندی اور کم ظرفی نے ان کی طبیعت کو متغیر کر دیا۔ ان خیالات کا اظہار قیام یورپ اور وہاں سے واپسی کے دوران میں لکھی ہوئی نظموں میں ہوا۔"⁽¹²⁾

مشرقی افکار و نظریات اور ہندو اسلامی تہذیب و تمدن میں وہ کون سے عناصر تھے جو اپنے عروج و کمال میں ہونے کے باوجود ایسٹ انڈیا کمپنی (1600ء-1874ء) کی ریشہ دوانیوں اور سیاسی مکاریوں کو نہ سمجھ پائے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ استعماری قوتوں کے آلہ کار بن کر غلامی کو قبول کر لیا اور ایسے استحصالی اور یرغمالی نظام میں اپنی بقا کی جنگ کا جو ارادہ کرتا، اسے نشانِ عبرت بنا دیتے۔ ایسے سنگین حالات میں مصلحت اندیشی ضروری تھی کہ حالات کے بدلتے ہی آزادی و بیداری کی بازگشت سنائی دینے لگے۔ مصلحین اور ناقدین نے اپنی مساعی جیلہ کو جاری رکھا۔ آخر کار، اقبال کی فلسفیانہ شاعری میں وہ مواد و موضوع (Content) موجود تھا جو شکست خوردہ قوم کے لئے امید زندگی کا پیغام بنا جس نے

مشرق کے جمود و انجماد کو توڑ کر نئی زندگی اور نئے امکانات سے آشنا کیا۔ اقبال کی نظم "شمع اور شاعر" (فروری 2012ء) کا مکالماتی موضوع ہی زندگی کا پُر اُمید پیغام ہے جو شکست خوردہ اقوام عالم اور خصوصاً امت مسلمہ کے لیے رجائیت کا سنہرا اصول ہے۔ حیاتِ جاوداں کا بنیادی نقطہ نغمہ، توحید میں موجود ہے۔ فلسفہ اقبال در حقیقت فلسفہ قرآن حکیم ہے جو انسان کی ابدی حیات کا امین ہے:

آسمان ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمتِ رات کی سیلاب پا ہو جائے گی
شبِ افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مال
موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی
نالہ صیاد سے ہوں گے نواسا ماںِ طیور
خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شبِ گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے (13)

بیسویں صدی کے آغاز سے ہی اقبال نے اپنی موضوعاتی نظموں میں بیداری قوم کو مقدم جانا اور یہی وہ پیغام تھا جو استحصالی و استعماری قوتوں سے نجات کا باعث بنا۔ ڈاکٹر مظہر حامد، اقبال کی نظم کے موضوعات اور شعری اُفق پر ان کے ہمہ جہتی و آفاقیت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اقبال کے ابتدائی کلام سے قطع نظر 1900ء سے جس شاعری کا آغاز ہوا، وہ نظمیں ہیں جن میں اپنے پیغام کو عالمِ انسانی تک پہنچایا۔ کلیاتِ اقبال میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ طبعی میلان کے تحت اقبال نے خود کو اسلامی، ملی، قومی، حب الوطنی، سیاسی و معاشرتی اور مناظرِ فطرت جیسے موضوعات کے لئے وقف کر دیا۔ اقبال نے کائنات کے سربستہ رازوں پر غور و فکر کر کے کامیاب نظمیں لکھیں۔ اپنی شاعری سے پورے ہندوستان کو چونکایا۔ اقبال کی شاعری اور ذہنی ارتقا کا معیار وہاں سے بنتا ہے، جہاں اقبال سے پہلے شعرانے نقطہء عروج دے کر آگے کی راہ ہموار کر دی تھی۔ اقبال نے شاعری میں بیداری قوم کو اولیت دی۔ حقیقت کی تلاش، مشرق کا جمود اور نفی خودی پر غور کرنا شروع کیا۔ آخر کار انہوں نے اپنی نظموں کے ذریعہ اس جمود کو توڑا۔ اقبال کا یہ طرزِ شاعری بے حد مقبول ہوا۔ اقبال

کی شاعری رُوح کو بیدار کرنے کی شاعری ہے۔ خودی کے فلسفے میں اس بات پر زور دیا کہ میرا یہ نظریہ کسی ایک قوم کے لئے نہیں بلکہ عالم انسانی کے لیے ہے۔ اقبال کی شاعری میں جو آفاقیت اور ہمہ جہتی پائی جاتی ہے، یہ وہ شاعری ہے جس پر اقبال نے خود اپنی انفرادیت کی مہر ثبت کی ہے۔ (14)

شاعری میں فکر و فلسفہ کا اظہار اقبال سے پہلے بہت کم نظم گو شعرا کے ہاں ملتا ہے۔ عموماً شعرا نے خارجی مناظر فطرت یا داخلی کیفیات قلبی کا اظہار کیا ہے۔ گہرے فلسفیانہ موضوعات پر اُردو نظم بیسویں صدی کے آغاز تک محروم تھی۔ اقبال نے اپنی تخلیقی اُچ سے فلسفیانہ افکار و نظریات کو اپنی شاعری میں سمو دیا جس سے اُردو نظم گوئی کا دامن وسیع ہوا اور محض تخیلات کی بلند پروازی کے بجائے تلاش حقیقت اور امکاناتِ زیست کا ساز و سامان سے آراستہ ہوا۔ اس کی اصل وجہ اقبال کی فلسفے سے فطری دلچسپی تھی جس نے مشرق و مغرب کے فلسفہ ہائے حیات و کائنات کو سمجھا اور انہیں اپنے شعری ڈھانچوں میں، اپنے فکر و تدبر سے پیش کیا۔ محض تقلیدی روش سے اجتناب کیا:

"اقبال کی فکرِ فرداں نے مشرق و مغرب کے فلسفوں کے بہترین عناصر سے ضرور خوشہ چینی کی اور فکر کے بڑے بڑے دھاروں کو ایک سمندر میں جمع کر کیا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ نے گراں قدر اور وقیع افکار و تصورات کو بھی ان دھاروں میں شامل کیا ہے اور اپنی ندرت پسندی کا لوہا بھی دنیا سے منوایا ہے۔ اقبال کی فکر جب شاعری میں ڈھلتی ہے تو اس کے نقوش کو ایک متحرک جمالیاتی آہنگ نصیب ہوتا ہے اور اس کی تاثیر میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے یعنی یہ محض ایک فلسفہ آرائی نہیں رہ جاتی بلکہ فکر اور جذبہ کی وحدت کی سبب ایک وقیع صورت اختیار کر لیتی ہے۔ (15)"

اقبال کے فکر و فلسفہ اور شاعری میں دینی روایات اور مغربی افکار کی آمیزش ہے۔ اسلامی مفکرین اور مغربی مفکرین کے خیالات و نظریات کو خالص دینی تعلیمات اور قرآنی حقائق کی روشنی میں پرکھنے کے بعد انہیں اپنی نظموں میں پیش کیا ہے۔ اپنے وقت کے دانشوروں اور سائنسدانوں کے خیالات سے استفادہ ضرور کیا ہے مگر انہیں اپنی تنقیدی بصیرت سے پرکھنے کے بعد شعری قالب میں ڈھالا ہے اور ایک بڑے فلسفی شاعر ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ سید احتشام حسین اپنی تنقیدی کتاب "اُردو ادب کی تنقیدی تاریخ" میں لکھتے ہیں:

"اقبال کی اہمیت یہ ہے کہ وہ مشرق اور مغرب کے فلسفے، مذہب، سائنس، تاریخ اور سیاسی صورت حال پر ایک بات سے پوری طرح آشنا تھے۔ ان کے سمجھنے کے لئے محض اسلامی خیالات سے بخوبی واقفیت ضروری نہیں، بلکہ دوسرے سبھی عظیم

مذہب، ان کے خیالوں اور عصری سائنسوں کا جاننا بھی ناگزیر ہے۔ اگر کوئی شخص اسلامی فلسفیوں کے علاوہ افلاطون، نیٹشے، برگساں اور آئن سٹائن سے اچھی طرح آشنا نہیں ہے۔ وہ اقبال کی شاعری کو نہیں سمجھ سکے گا مگر ایسا نہیں ہے کہ اقبال نے فقط مشہور فلسفیوں کے خیالات کو نظم کی شکل میں لکھ دیا بلکہ کہیں کہیں ان سے اختلاف ظاہر کیا ہے۔ ان کی تنقید کی ہے اور ان کے انہیں خیالات کو قبول کیا ہے جو ان کے نقطہ نظر کو مضبوط بناتے ہیں۔ (16)

روح عصر (Zeitgeist) جرمن زبان کا لفظ ہے جو دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ پہلا لفظ (Zeit) ہے۔ جس کے معنی (Time) وقت، عصر یا زماں کے ہیں اور دوسرا لفظ (Geist) ہے۔ جس کے معنی (Spirit) روح، رجحان یا احساس کے ہیں۔ مفکرین کا خیال ہے کہ وہ روح عصر یا روح زماں سے مراد وہ خاص دور یا زمانہ ہے جس کے اپنے مسائل، افکار و نظریات، رجحانات و میلانات ہوں۔ ان عصر حاضر کے مسائل و موضوعات کا فہم و ادراک صرف فلاسفر ز اور دانش وروں کو ہوتا ہے جو اپنی تنقیدی بصیرت سے کام لیتے ہیں اور تخلیقی صلاحیت سے ان رجحانات و میلانات کا اظہار و ابلاغ کرتے ہیں۔ فکر اقبال میں روح عصر کا اظہار جا بجا ملتا ہے کیوں کہ اقبال نے مشرق و مغرب کے مفکرین کا گہرا اور نتیجہ خیز مطالعہ تاحیات جاری رکھا اور زمانے کے پیچ و خم اور سیاسی نشیب و فراز کو اپنی موضوعاتی نظموں کا حصہ بنایا۔ "روح عصر" کے بارے میں کوثر مظہری اپنا مختلف نقطہ نظر رکھتے ہیں:

"روح عصر" کی توجیہ یوں ہے کہ ایک ہی معاشرہ اور ایک ہی عہد کی مختلف جماعتوں کا طرز معاشرت مختلف ہو گا بلکہ انداز فکر بھی الگ ہو گا۔ اس نظریے کی بنیاد پر یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ ایک ہی عہد میں "روح عصر" کوئی ضروری نہیں کہ یکساں ہو۔ ہر شاعر اور ادیب اپنے معاشرے سے اور اس کے تہذیبی و ثقافتی رجحانات سے اثر قبول کرتا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ یہ عمل بھی اکتساب فیض کے عمل سے کچھ کم نہیں ہوتا۔ (17)

"روح عصر" دراصل ایک خاص عہد کے سیاسی، سماجی، تہذیبی اور علمی و ادبی عناصر کا مجموعہ ہے جن کی تفہیم کے بغیر اس عہد کے نمائندہ موضوعات تک رسائی ناممکن ہے۔ بنیادی طور پر "روح عصر" فلسفہء تاریخ کی اصطلاح ہے جس میں تاریخی حقائق و عوامل، سیاسی و سماجی افکار و نظریات، اخلاقی و مذہبی عقائد و تعلیمات اور علمی و ادبی رجحانات موجود ہوتے ہیں۔ ان تمام عوامل و عناصر سے مفکرین اور تخلیق کاروں کا متفق ہونا ضروری نہیں لیکن روح عصر (Zeitgeist) تک رسائی تبھی ممکن ہے جب کوئی شاعر یا فلسفی

شاعران عصری مسائل کی روح تک قلبی و ذہنی سفر کرے اور ان عصری موضوعات کو اپنی تخلیقات میں پیش کرے:

"جب ہم کسی دور کا مطالعہ کسی خاص نقطہ نظر یا تاریخ کے سیاسی و سماجی یا کسی بھی واضح رجحان کے تحت کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ رجحان اس عہد کی روح ہے۔" (18)

عصری شعور و ادراک کے بغیر عہد حاضر کے مسائل اور چیلنجز کو اپنی شعری کائنات کے موضوعات بنانا قدرے مشکل کام ہے مگر اقبال میں یہ غیر معمولی صلاحیت موجود تھی کہ انہوں نے روایتی موضوعات سے ہٹ کر عہد حاضر کے آفاقی و قرآنی موضوعات کو اپنی شاعری میں جگہ دی اور انہیں اپنے منفرد اسلوب میں پیش کیا۔ بڑے شاعر میں یہ خوبی موجود ہوتی ہے کہ وہ تاریخی و زمانی تناظر کے عمیق مطالعہ کے بعد اُن حقائق اور موضوعات کو سامنے لاتا ہے جو روح انسانیت کے مرضِ کہن کا علاج سمجھے جاتے ہیں اور تخلیقی بحران اور بنجرین کو زرخیزی عطا کرتا ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الحسن اپنی تحقیقی و تنقیدی کتاب "جدید اردو نظم: آغاز و ارتقا" میں لکھتے ہیں:

"حالی سے اقبال تک کا دور اردو شاعری کا بحرانی دور ہے۔ اس تخلیقی بنجرین کو اقبال نے آکر ختم کیا جن کی شاعری میں ہمیں ایک آفاقی سطح کا عصری شعور نظر آتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اقبال کی شاعری آج بھی اُسی ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہے۔" (19)

شاعری عطیہء خداوندی ہے۔ اسے اپنے اظہار کے بجائے عصر حاضر کے سنگتے مسائل کے اظہار کا ذریعہ بنانا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔ عموماً شعری ادبیات کی تاریخ کا تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ کلاسیکی شعرا کی شاعری کے زیادہ تر موضوعات انعکاس (Reflection) پر مبنی ہیں۔ بس جو داخلی اور خارجی حالات و واقعات دیکھے، انہیں اپنے مخصوص شاعرانہ لفظیات (Poetic Diction) اور بحور و اوزان میں پیش کرنا کافی سمجھایا جو محسوس کیا، اُن محسوسات کی لفظی تصاویر بنادیں۔ اُن میں تغیر و تبدل اور نئے پن (Newness) کا احساس پیدا نہ کیا۔ ادب و فلسفہ کو بلا کم و کاست پیش کرنے کی ٹھان لی۔ نتیجہ کیا نکلا کہ "ادب برائے ادب" کی اصطلاح عام ہوئی اور اردو شعر و ادب ایک عکس (Reflection) یا آئینہ (Mirror) یا نقل (Imitation) یا ساکت اظہار (Photographic Expression) بن کر رہ گیا۔ زندگی کے حقائق کو تخلیقی نظر سے نہ دیکھا اور نہ ہی اپنی تخلیقی بصیرت سے سمجھا۔ موجودہ حقیقت (Given Reality) کو ویسے ہی پیش کر دیا اور صدیاں اسی روایتی و انعکاسی شعر و ادب کے اظہار میں گزر گئیں۔ حالاں کہ

شعر و ادب اور فکر و فلسفہ میں وسیع امکانات (Open Possibilities) کی دنیا آباد ہوتی ہے اور اس دنیائے شعر و ادب اور فکر و فلسفہ کو سمجھنا ہی ضروری نہیں بل کہ اسے تبدیل کرنا اور حالات و واقعات کا رخ متعین کرنا بھی ضروری ہے جو صرف انعطاف (Refraction) ہی سے ممکن ہے۔ اس اصطلاح کے مطابق مظاہر فطرت اور اشیائے عالم کو ہو بہو پیش نہیں کیا جاتا بل کہ ان کی گہری تفہیم کے بعد ان میں تبدیلی، (Change) نیا پن، اصلیت (Originality) اور تحرک (Dynamism) پیدا کیا جاتا ہے جو موضوعیت (Subjectivity) اور شخصی تعلق (Identification) کے بجائے معروضیت (Objectivity) کو اپناتا ہے۔ جس میں عقل و دانش کو سلایا نہیں جاتا بل کہ بیدار کیا جاتا ہے تاکہ مقام آدمیت اور رُوح انسانیت اپنا حقیقی تخلیقی سفر جاری رکھ سکے اور رُوح عصر کے اظہار پر کوئی قدغن نہ ہو۔

"بانگ درا" کی "خضر راہ" محض شاعر اور خضر کے درمیان شعری مکالمہ نہیں بل کہ ہر شعر اپنے موضوعاتی امکانات میں رُوح عصر (Zeitgeist) کا اظہار لیے ہوئے ہے:

بندہٗ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا، ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دستِ دولت آفریں کو مُزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چُن چُن کے بنائے مُسکرات
گٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
شکر کی لذت میں ٹولوا یگا نقدِ حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے (20)

مخالف قوتوں سے جنگ اور جدلیاتی عمل کا تخلیقی اظہار بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی اقبال کی شاعری میں منظر عام پر آیا تو استحصالی و استعماری قوتوں کو بڑا دھچکا لگا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ استعمار کاروں نے اپنے مفاد پرستانہ بیانیے کا جال پوری دنیا میں پھیلا رکھا ہے۔ جو کوئی بھی اس سے نجات کا طلب گار ہو، اُسے موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔ یہ جال

سرمایہ دارانہ نظام کی آہنی زنجیروں سے بنا ہوا ہے جس میں اقوام عالم صرف اپنے مفادات (Vested Interests) کی جنگ میں مصروف اور اندھے ہو چکے ہیں کہ انہیں دم توڑتی ہوئی لاشیں اور ان کا ماتم (Mourning) بھی نظر نہیں آتا۔

اقبال نے اپنی شاعری کو رُوحِ عصر کا ایک ایسا آئینہء خانہ بنایا ہے کہ جس میں عصر حاضر کے نمایاں موضوعات نکھر کر سامنے آتے ہیں۔ مشرق و مغرب کے علوم و فنون اور نظام ہائے زیست کا اظہار اقبال کے تخلیقی انجذاب اور تجزیاتی و جدلیاتی اظہار کے ساتھ ملتا ہے۔ اقبال تمام عمر تقلیدی روش کے مخالف رہے اور اسے اُمتِ مسلمہ کی تباہی و بربادی کا باعث سمجھتے رہے۔ مابعد الطبیعیات، نو آبادیات، سیاسی محرکات، تہذیبِ مغرب، جمہوریت، اشتراکیت اور عالم اسلام جیسے موضوعات پر اقبال نے جس طرح تخلیقی لفظیات و تمثیلات کا اظہار کیا ہے، یہ اسلوب، یہ تمکنت، یہ شعری و فنی لوازمات کہیں اور نظر نہیں آتے۔ گویا اقبال نے اپنے عہد کی رُوح کو اپنی تخلیقی اور جدلیاتی رُوح میں سمو کر پیش کیا اور اُردو نظم کے موضوعات میں وسعت پیدا کی ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اقبال کی انقلابی اور جدلیاتی فکر کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"اقبال کی تمام شاعری اور اس کے افکار اور جذبات پر جو چیز طاری معلوم ہوتی ہے وہ تمنائے انقلاب ہے۔ موجودہ دنیا کی کوئی حیثیت، کوئی شوکت، کوئی حکمت اور کوئی مذہب اس کو اطمینان بخش دکھائی نہیں دیتا۔ وہ مشرق و مغرب دونوں سے بے زار ہے۔ دونوں طرف زاویہء نگاہ اور نظریہء حیات اس کو غلط معلوم ہوتا ہے۔ تمام موجودہ زندگی پر اس کی تنقید مخالفانہ ہے۔ وہ صرف ملتِ اسلامیہ ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں اور اس کے ہر شعبے میں انقلاب کا آرزو مند ہے۔ عصر حاضر میں یا گزشتہ تین چار صدیوں میں جہاں جہاں انقلابی تحریکیں ہوئیں وہ پسندیدگی سے ان کا ذکر کرتا ہے۔ (21)"

کلامِ اقبال کے عمیق مطالعہ سے عہدِ حاضر اور رُوحِ عصر کا احساس شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ اقبال نے اپنے زمانے کی تمام تحریکوں اور بدلتے منظر نامے کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے۔ سیاسی، ادبی اور ثقافتی و مذہبی تناظر میں اقبال کا کلام اپنے وقت میں ہی مقبول نہ تھا بلکہ ان کی نظموں میں خالص دینی و قرآنی پیغام کا اظہار و ابلاغ ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر اُمتِ مسلمہ اپنا کھویا ہوا مقام و مرتبہ دوبارہ حاصل کر سکتی ہے۔ اس کے لیے ملوکیت زدہ نظامِ زندگی کا خاتمہ ضروری تھا۔ اقبال نے سرمایہ دارانہ نظام اور استعماری بیانیے کے خلاف آواز بلند کی مگر ایشیائی اقوام کا جمود اور استعماری فسوں کاری نے ہندوستانی مسلمانوں کو ہر طرف سے عقلی و مفاداتی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ اقبال نظامِ کہن، نظامِ سرمایہ داری،

ملائیت و ملوکیت، نوآبادیات اور تہذیب مغرب کے زہر آلود اثرات سے اُمتِ مسلمہ کو بچانا چاہتے تھے۔ اس لیے ان کی نظموں میں رُوحِ عصرِ خون کی طرح گردش کرتی ہے۔ اقبال ارضی مسائل کا حل انسان کے بنائے ہوئے نظاموں (Isms) میں نہیں بلکہ دینِ اسلام کے خالص پیغامِ محمدیؐ میں پیش کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کے متمنی تھے تاکہ تسلسلِ حیات برقرار رہے اور ملوکیت زدہ اسلام اور عربِ ملوکیت سے مسلمان قوم نجات پاسکے۔

اقبال کی نظم "اے رُوحِ محمدؐ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم" میں عصرِ حاضر کے ممکنہ مسائل کا حل موجود ہے۔ بس "آیاتِ الہی کا نگہبان" اور حقیقی ترجمان جس دن ملتِ مرحوم کو میسر ہوا، وہی دن احیائے دینِ اسلام کا سنگِ میل ہوگا:

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر
اب تُو ہی بتاس، تیرا مسلمان کدھر جائے!
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں، وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد
اس کوہ و بیاباں سے حُدی خوان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے رُوحِ محمدؐ!
آیاتِ الہی کا نگہبان کدھر جائے (22)!

فکرِ اقبال درحقیقت رُوحِ عصر کا برملا اظہار ہے جو اُن کی نظموں میں مختلف عنوانات کے تحت نظر آتی ہے۔ "شکوہ"، "جوابِ شکوہ"، "حضورِ سالتِ مآب میں"، "خضرِ راہ"، "طلوعِ اسلام"، "تہذیبِ حاضر"، "مارچ 1907ء"، "لینن (خدا کے حضور میں)"، "بلیس کی مجلسِ شوریٰ"، "بڑھے بلوچ کی نصیحت" اور "دوزخی کی مناجات" میں عصرِ رواں کا منظر نامہ ہے، جس کی تفہیم کے بعد خارجی استعمار پسندوں کی بدترین غلامی سے نجات ممکن تھی مگر اقبال دشمنی نے اُمتِ مسلمہ کو اپنی حقیقی منزل سے دُور کر دیا ہے۔ یہی اُمتِ مسلمہ کا المیہ ہے کہ وہ عصرِ حاضر کے فکر و فلسفہ اور رُوحِ عصر (Zeitgeist) سے نابلد ہے۔

حوالہ جات

1. اقبال، کلیات اقبال اردو، بانگ درا، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2013ء، ص 117
2. ایضاً، ص 250
3. ایضاً، ص 324
4. سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری میراث، لاہور: بزم اقبال، 1996ء، ص 7
5. عقیل احمد صدیقی، جدید اردو نظم: نظریہ و عمل، لاہور: بیکس بکس، 2014ء، ص 36
6. رئیسہ پروین، بیسویں صدی کی اردو نظم پر علامہ اقبال کے اثرات، لاہور: دارالشعور، 2015ء، ص 22
7. غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی ارتقا، لاہور: مکتبہ خیابان ادب، 1978ء، ص 2
8. Stray Reflections (A Note – Book of Allama Iqbal), edited by Javid Iqbal, Lahore: Sh. Ghulam Ali & Sons, 1961, P. 54
9. فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اقبال سب کے لئے، لاہور: الو قاری پبلی کیشنز، 2014ء، ص 14
10. اقبال، کلیات اقبال اردو، ضربِ کلیم، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2013ء، ص 555
11. افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، پروفیسر، عروج اقبال، لاہور: بزم اقبال، 1987ء، ص 123
12. عبدالقادر، سر، بانگ درا (دیباچہ)، مشمولہ: "نذر اقبال"، (مرتب) محمد حنیف شاہد، لاہور: بزم اقبال، 1972ء، ص 23
13. اقبال، کلیات اقبال اردو، بانگ درا، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2013ء، ص 222
14. مظہر حامد، ڈاکٹر، اردو نظم پر اقبال کے اثرات، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، 2012ء، ص 86
15. محمد اعجاز الحق، مبادیاتِ فلسفہ اقبال، لاہور: عکس پبلی کیشنز، 2019ء، ص 10
16. احتشام حسین، سید، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو، 1983ء، ص 242
17. کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک، لاہور: الو قاری پبلی کیشنز، 2015ء، ص 28
18. محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، کراچی: بک ٹائم، 2017ء، ص 239
19. ضیاء الحسن، ڈاکٹر، جدید اردو نظم: آغاز و ارتقا، لاہور: سانجھ، 2012ء، ص 49
20. اقبال، کلیات اقبال اردو، بانگ درا، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2013ء، ص 292

زبان و ادب، شمارہ 28، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

21. عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، 1988ء، ص 169
22. اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2013ء، ص 561